© rasailojaraid.com

الہامی مدرسہ اور اس کا الہامی مکتبِ فکر

(تیسری قسط)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ

رہے فرق حقۂ اسلامیہ جو اصول ومبانی میں متحدرہ کر فروعی عقائد کے معانی میں بتقاضائے قواعدِ شرعیہ کچھ مختلف ہیں تو ظاہر ہے کہ اس کا منشا بھی اجتہادی نظروفکر ہی ہے، جس سے بتفاوت اجتہاد، متفاوت نظریات قائم ہوکر عقیدے کی صورت اختیار کرلیں اور وہ فرقہ سمجھے جانے لگیں درحالیکہ وہ فرقہ نہیں ہوتے جب کہ تمام اصول اور مبانی اسلام میں متحد ہیں۔ لیکن حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا مسلک جب کہ جامع نص واجتہاد ہے تو ان فروعی عقائد کا بھی کوئی اجتہادی پہلو جب تک کہ شریعت کے بنیادی اصول اور اساسی قواعد وضوابط سے متصادم نہ ہونا، قابلِ قبول نہیں رہتا بجز اس کے کہ اس پہلو کو مسئلہ کا بنیادی مقام دینے کے بجائے اُسے ضمنی، فرعی مقام پر رکھ دیا جائے ترک نہیں کیا جاتا۔ اس طرح سے کوئی بھی حقانی فرقہ اور اس کا کوئی بھی اعتقادی مسئلہ جب کہ تھوڑی سی توجیہ کے بعد اس مسلک سے باہر نکلنے نہیں پاتا، صرف مقصدی اور غیر مقصدی درجہ کا فرق باقی رہ جاتا ہے تو اُسے بھی کلیۃً متروک کردینے کی صورت پیدا نہیں ہوتی جب کہ وہ کسی نص کے محتملات یا کسی شرعی اصول کی فروعیات کے دائرہ میں ہے، اس لیے اس جامع مسلک میں یہ اسلامی فرقے بھی اصل فرقۂ حقہ سے کلیۃً جدا نہیں ہوتے بلکہ اس سے قریب تر ہوجاتے ہیں، صرف فرقِ باطلہ ہی باہر رہ جاتے ہیں جو حق کے دائرہ میں داخل ہی ہونا نہیں چاہتے، رہے وہ طبقات جو اسلامی مسائل میں محض اپنے عقلی تگ وتاز سے شبہات کا شکار ہوکر جمہور کے مسلک سے جدا نظر آئیں اور امور غیبیہ میں رائے زنی کرکے غیب کو بھی شاہد ہی کی ترازو میں تولنے کی سعی میں لگے رہیں تو یہ ولی اللّٰہی مسلک چونکہ جامع عقل ونقل اور جامع معقول ومحسوس ہے اور اس میں تمام اعتقادات اور اصولِ کلیہ کو عقلی برہان اور فطری مصالح کے لباس میں پیش کیا گیا ہے جو اس قسم کے عقلی شبہات کے لیے دافع اور عقلی الجھنوں میں پھنسے ہوئے طبقات کے لیے عقلی تشفی وتسلی کا سامان اپنے اندر رکھتا ہے تو مسلک حق سے ان طبقات کے نکل بھاگنے کا سوال بھی باقی نہیں رہتا بشرطے کہ وہ شرعیات کے ان عقلی براہین کو کانوں میں جگہ دیں اور دل کو حاضر کرلیں، چنانچہ تجربات شاہد ہیں کہ اس قسم کے عقل پسند لوگوں نے جب بھی اس شرعی مسلک کو عقلی لباسوں اور فکر صحیح کے ملبوسات میں جلوہ گر دیکھا ہے تو ان کے شبہات زائل بھی ہوگئے ہیں اور وہ بصدق دل اپنی ناواقفی یا بے توجہی کا اقرار کرکے اس مسلک سے قریب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو گئے یا اُس کے حامی بن کر اسی کا ایک فرد بن گئے ہیں، اس کے بعد سیاسی حلقے رہ جاتے ہیں جو دین وملک کو الگ الگ کہنے کے عادی ہیں اور ہمہ وقت جنھیں دین کے نام سے اپنے سیاسی مقاصد کے ضائع ہونے کا اندیشہ رہتا ہے تو اس مسلک اعتدال میں شرعی سیاست کے وہ اصولی قواعد بھی کتاب وسنت سے اخذ کر کے پیش کر دیئے گئے ہیں جو ان تمام خطرات کا جواب ہی نہیں بلکہ سیاسی مقاصد کی تحصیل کا فطری راستہ بھی ہیں۔

بہر حال اس مسلک اعتدال کا دائرہ اصولاً اس حد تک جامع، وسیع اور حاوی ہے کہ نہ اُس سے اجتہادی طبقات جدا رہ سکتے ہیں نہ کلامی گروہ اور نہ عقلی اور فلسفی حلقے کٹ سکتے ہیں جب کہ اُن کے مسلمات سب اس میں لپٹے ہوئے ہیں، جس کے معنی اس کے سوا دوسرے نہیں ہیں کہ ولی اللّٰہی مسلک نے تمام فرقوں، تمام حلقوں اور تمام طبقات کو اصولاً اپنے اندر سمیٹ کر کے جمع کر لیا ہے، جس میں مرکزیت کی وہ تمام صلاحیتیں موجود ہیں جو کسی بھی معقول پسند علمی طبقہ کو اپنے سے باہر نہیں رہنے دیتیں اور جب بھی اُنھیں انصاف اور حق پسندی سے کام میں لایا جائے گا، وہ ان سب کے لیے ایک تشفی بخش نسخہ اور جامع مرکزِ توجہ ثابت ہوں گی اور باہمی نزاعات یا قومی تفرقے کو بیخ وبُن سے اکھاڑ پھینکیں گی، چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ کا ایک مستقل مبحث، سیاسیات، عمرانیات، مدنیات اور معاشرات پر مشتمل ہے، جس کا لقب اُن کے یہاں ارتفاقات ہے اور اس میں سیاسی شعبے کی شرعی بحثیں اور شرعی نقاط فطری دلائل سے کھول کر رکھ دیئے گئے ہیں، جس سے آج کی سیاست کا بھی کوئی معقول نظریہ خارج نہیں، اس لیے سیاسی طبقات کے لیے بھی یہ مسلک ایک جامع مرکز کی حیثیت رکھتا ہے جس پر یہ حلقے جمع ہو سکتے ہیں، بشرطے کہ اُسے دیکھیں اور سمجھنے کی کوشش کریں۔

ادھر دار العلوم کے اس مسلک کا دوسرا بنیادی عنصر تربیتِ اخلاق اور تزکیہ نفوس ہے جو ریاضات ومجاہدات اور سلاسل تصوف سے وجود پذیر ہوتا ہے، اس مسلک کے تحت جماعتِ دیوبند کے اکابر اکثر وبیشتر سلسلۂ چشتیہ سے اور بہت سے اکابر سلسلۂ نقشبندیہ سے وابستہ ہیں، نقشبندیہ خاندان کا قریبی مرجع ومنتہا مجاہد اعظم حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی رحمہ اللہ ہیں اور چشتیہ خاندان کے ملجا وماویٰ حضرت شاہ عبد الرحیم ولایتیؒ ہیں، دونوں ہم عصر ہیں اور ایک ہی دور میں ہمہ گیر انداز سے فیض رساں رہے ہیں اس لیے اس ملک میں یہ ہی دو سلسلے زیادہ معروف اور زیادہ رائج ہیں، چشتیت میں قلندرانہ رنگ غالب ہے جس کی خاص کیفیات شورش وجوش اور وجد وطرب وغیرہ ہیں، جس کے تحت ہاؤ ہو کا حال وقال اُن پر زیادہ طاری ہوتا ہے اور اس سے ان کی زندگی کا عنوان افروختن وسوختن وجامہ دریدن ہے، ادھر نقشبندیہ میں اخفا وتستر سکوت وصموت اور ضبط وتحمل کا غلبہ ہے جس سے وہ اس شعر کے سچے مصداق ہیں۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار انند　　　　که برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بظاہر دونوں سلسلوں میں تضاد کی نسبت نظر آتی ہے، گو منزل ومقصد واحد ہے، لیکن ان دونوں سلسلوں کے مذکورہ بزرگوں حضرت سید احمد شہید اور حضرت شاہ عبدالرحیم میں خداساز طریقہ پر جانبین سے تاثیر وتاثر کی صورت پیدا ہوئی اور صوفیہ کی اصطلاح کے مطابق جانبین کی نسبتوں میں تبادلۂ کیفیات کی شکل نمایاں ہوئی، واقعہ طویل ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سید صاحبؒ پر بساط وانبساط اور شگفتگی کی کیفیت رہتی تھی اور حضرت شاہ عبدالرحیم پر خوف وخشیت، لرزہ براندامی، حزن وفکر اور گریہ کی کیفیت طاری رہتی تھی۔

حضرت سید صاحب کے سفرِ جہاد کے موقعہ پر دونوں بزرگ پُھلت کی مسجد میں جمع ہوگئے اور باہمی جذب وکشش سے ایک بند کمرے میں یکجا ہوئے، باہر آئے تو سید صاحب روبگریہ تھے اور شاہ صاحب روبضحک وتبسم تھے یعنی ہر ایک کی نسبت دوسرے پر اثر انداز ہوئی، جسے یوں تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ چشتیت اور نقشبندیت میں باہمی آمیزش ہوئی اور دونوں بزرگوں کے پاکیزہ آثار وکیفیات ایک دوسرے میں پہنچ کر مخلوط ہوگئے، جس سے سید صاحب کی نقشبندیت میں تو قدرے شور وفغاں اور گریہ وبکا کے اثرات نمایاں ہوگئے اور شاہ صاحب کی چشتیت میں ضبط وسکوت اور آدابِ شرعیہ کے تحت اتباعِ سنت کے وقار تمکنت نے غلبہ پالیا جس سے حضرت شاہ عبدالرحیم کی یہ نقشبندیت آمیز چشتیت ان کے ارشد خلفاء، حضرت میانجی نور محمد جھنجھانوی قدس سرہٗ میں جلوہ گر ہوئی جس میں باطنی سوز وگداز کے ساتھ ادب شریعت اور اتباع سنت کا رنگ غالب ہوگیا، جسے حضرت میانجی صاحب نے ان الفاظ میں ادا فرمایا (جیسا کہ میں نے عم محترم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ مہتمم سادس دارالعلوم دیوبند سے بارہا سنا) کہ ''فقیر نے ایک ایسی ہنڈیا پکائی ہے کہ نہ سو برس پہلے پکی تھی نہ سو برس بعد میں پکے گی'' اس پر حضرت ممدوح فرمایا کرتے تھے کہ قیامِ دارالعلوم کے دور کے رمز شناس اہل اللہ کا عام نظریہ یہ تھا کہ حضرت میانجی صاحب کی وہ سو برس والی ہنڈیا یہ دارالعلوم دیوبند ہے جس میں شریعت کے ساتھ طریقت اور سوختہ جانی کے ساتھ ادب دانی اور احوال وکیفیات کے ساتھ اتباع سنت جمع ہے اور اس لیے اس سلسلہ کے سوز وگداز اور حال وقال والے لوگ محض سوختہ جان ہی نہیں ادب داں بھی ہیں، جن میں باطنی سوز وگداز کے ساتھ غلبہ بہر حال ادبِ شریعت اور اتباع سنت کا ہے، سوزش باطنی چشتیت کی ہے اور ادب دانی اور پیرویٔ سنت کی متانت نقشبندیت کی ہے، اس لیے یہ سلسلہ جو حضرت میانجیؒ اور ان کے بعد حضرت حاجی امداد اللہؒ سے ہوتا ہوا حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ تک آیا تو ان بزرگوں کے فیضان سے اُن کا مظہر یہی دارالعلوم بنا جسے ہر دو سلسلوں کے اکابر کی نسبتوں کا مجموعہ کہنا چاہیے اور اس کی شان یہ نمایاں ہوئی کہ:

بر کفے جامِ شریعت بر کفے سندانِ عشق ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

اس ہنڈیا سے دارالعلوم کی تعبیر کا یہ مقولۂ اکابر حضرت قاسم العلومؒ کے اس مقولہ سے اور بھی زیادہ مؤکد اور بلحاظِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقیقت مضبوط ثابت ہو جاتا ہے جو میں نے انہی اکابر مرحومین اور بالخصوص حضرت عم محترم ممدوح سے سُنا ہے کہ حضرت نانوتویؒ نے فرمایا کہ مجھے اس مدرسہ کی صورت عالمِ مثال میں ایک معلّق ہنڈیا کی سی دکھلائی گئی ہے، بعض حضرات نے اس معلّق ہنڈیا کی تعبیر توکل سے کی ہے کہ اس مدرسہ کا مدار یقیناً ہنڈیا پر تو ضرورت ہے جو طعام کا ظرف ہوتی ہے لیکن وہ معلّق ہے جو توکل کی شان ہوتی ہے کہ اسباب اختیار کر لینے کے بعد بھی نتیجہ تابع مشیت ہوتا ہے محض اختیار اسباب سے کسی نتیجہ کی برآمد یقینی نہیں ہوتی بلکہ مشیت پر معلّق رہتی ہے، اس لیے اس مدرسہ کا معلّق ہنڈیا کی صورت سے نمایاں ہونا اس پر تنبیہ ہے کہ اس مدرسہ میں ظاہری اسباب سے زیادہ نظر توکل اور امدادِ خداوندی پر رکھی جائے جیسے اس کے لیے مستقل آمدنی یا اربابِ تموّل کے محکم وعدوں کا نہ ذریعہ پیدا کیا جائے نہ ان پر بھروسہ کرلیا جائے جیسا کہ خود حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے بنیادی اصول ہشتگانہ میں اس پر پوری توجہ دلائی گئی ہے جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے، لیکن اس توجیہ کو مانتے ہوئے بھی واقعات سابقہ کی روشنی میں اس کے معنی ومسلک اسی جامعیت کے زیادہ چسپاں نظر آتے ہیں جس میں شریعت وطریقت، سوز وگداز اور ادبِ دل نواز کو جمع کیا گیا ہے، گویا حضرت میانجی کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ سو برس سے ملت ہندیہ میں جو جامعیتِ مسلک مضمحل ہو چکی تھی اور ہر طبقہ دوسرے طبقہ سے عدمِ جامعیت اور مسلکی انفرادیت کی وجہ سے دست وگریباں تھا، بالخصوص شریعت وطریقت کو دو الگ الگ راہیں کہہ کر دو مسلک علاحدہ علاحدہ بنائے گئے تھے اس فقیر کے ہاتھ پر وہ دوئی اور دورُخی ختم کر دی گئی ہے اور اب چشتیت ونقشبندیت کی آمیزش سے جوش باہوش اور خروش باسروش کا دور آ گیا ہے جس کی ہنڈیا تیار ہو چکی ہے اور اب اسی کا پکا ہوا کھانا اس ملک میں مشرق ومغرب تک تقسیم ہوگا یہی وجہ ہے کہ ان اسلاف مرحومین کے یہاں باوجود غلبۂ چشتیت کے جو ان کا اصل سلسلہ ہے بیعت چاروں خاندانوں اور بالخصوص نقشبندیت میں بھی لی جاتی تھی اور تربیت حسب استعداد چاروں سلاسل کے مطابق کی جاتی تھی، کتنے ہی اکابر کی تربیت ان بزرگوں نے نقشبندیہ طریق پر کی ہے جو چشتیت میں نہیں چل سکے، خود حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ ہی اپنا حال بیان فرماتے تھے کہ حضرت گنگوہیؒ کے یہاں بیعت کے بعد جب میں چشتیت کے طریقہ پر نہ چل سکا تو حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ تمہارا حصہ نقشبندیت میں ہے، چشتیت میں نہیں ہے اور پھر اسی نقشبندیت پر انھیں چلایا تو وہ آگے بڑھے اور حق تعالیٰ نے اُنھیں اسی میں کامیاب اور واصل فرمایا۔

اس صورتِ حال کو سامنے رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے مسلک میں سلاسلِ علمیہ اور سلاسلِ فقہیہ کے ساتھ سلاسلِ صوفیہ کو بھی جمع کر دیا گیا ہے جس سے کوئی سچا نقشبندی اور سہروردی اور قادری اُن سے الگ نہیں رہ سکتا۔

اس جامع مسلک کا نقشِ راسخ اپنے شیخ طریقت حضرت حاجی امداد اللہؒ کے فیضان سے جب حضرت قاسم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

العلوم پر پڑا اور وہ بشہادۃ شیخ اپنے شیخ کی زبان قرار پائے جیسے شمس تبریز کی زبان عارف رومی بنے تو یہ جمعیت ہمہ وقت ان کی نگاہوں میں رہی اور اس کا عمومی ظہور دارالعلوم سے ہوا اور بالآخر وہی دارالعلوم کا مسلک قرار پایا، ایک کے مرجع الامر شاہ ولی اللہؒ تھے اور دوسرے کے مرجع الامر حضرت جھنجھانوی کے خلیفۂ اعظم حضرت حاجی امداداللہؒ تھے جس سے حقیقت قاسمیت بنی اور وہ جب کہ اس دارالعلوم میں مدارِ حدیث تھے اور مرجع الاستناد تھے، تو اس کے صاف معنی وہی ہوتے ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے کہ قاسم العلوم اور دارالعلوم کا نقطۂ نظر تمام سلاسل اور اہلِ سلاسل کا اتحاد تھا، علمی مسلک میں ان کا مطمحِ نظر تمام علمی سلسلوں اور حلقوں کو جمع کرنا تھا کہ صوفی اور متکلم، محدث وفقیہ اور اصولی و عارف متبائن نہ رہیں بلکہ ایک سمجھے جائیں اور ان کے فنون بھی باہم ممزوج اور مخلوط ہو کر مضمون واحد کی صورت سے نمایاں ہوں۔

ادھر تربیتی سلسلوں میں سلاسل اولیاء کو جمع کرنا تھا کہ جو چشتی ہو وہی نقشبندی بھی ہو اور جو نقشبندی یا قادری اور سہروردی ہو وہی چشتی بھی ہو، تاکہ سلسلے ہی نہیں اہلِ سلاسل بھی قدرتاً ایک ہو کر نمایاں ہوں، اس لیے اگر دارالعلوم کو مرکز اتحاد امت تسلیم کیا جائے تو خلافِ واقعہ نہ ہوگا، یہی وہ مرکزی فکر تھا جو حضرت قاسم العلوم کے قلب کی امانت تھا اور وہ اُسے اس مدرسہ کے راستہ سے پھیلانا چاہتے تھے، پس عام اہل نظر تو اس مدرسہ کو صرف مدرسہ جانتے تھے، لیکن حضرت والا اُسے مدرسہ نہیں بلکہ مدرسۂ فکر جانتے تھے، اس لیے ابتدا ہی سے اُسے وسعت پذیر بنانے پر ہمت کیے ہوئے تھے، یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم کے پروردوں میں اصاغر ہوں یا اکابر جامعیت کا یہ رنگ قدرِ مشترک کے طور پر درجہ بدرجہ سب میں نمایاں رہا اور ہے کہ درس وتدریس کے ساتھ ان میں ریاضت ومجاہدہ، سند حدیث کے ساتھ سند، خلافتِ باطنی اور جوشِ احوال کے ساتھ ادب قال، باطنی سوز وگداز کے ساتھ ادب روح نواز اور سلاسل شریعت کے ساتھ سلاسل طریقت کا سلسلہ برابر کے درجہ میں قائم ہوا جہاں چشتیت کی لائن سے کلیری صابریت اور گنگوہی قدوسیت آئی، وہیں نقشبندیت کی لائن سے مجددی پیرویٔ سنت اور سید احمد شہید کے اعلاء کلمۃ اللہ کی روح بھی راسخ رہی۔ اس لیے مدرسہ کے نونہالوں میں نہ تو زہدِ خشک ہوا کہ خشونت نمایاں ہو، نہ لینِ محض رہا کہ مداہنت کی تہمت آئے، نہ منکرات کے بارہ میں چشم پوشی ہوئی کہ مرعوبیت کا الزام سر آئے اور نہ بے بصرانہ روک ٹوک رہی کہ اکھڑ پن کا اعتراض ہو، بلکہ دینی تصلّب کے ساتھ شفقت علی الخلق اور تقشّف کے ساتھ ملاطفت و مدارات سب باہم آمیختہ رہیں جو ﴿وابتغ بين ذلك سبيلا﴾ کی صحیح تصویر اور سو برس والی ہنڈیا کی صحیح تعبیر ہے جس سے اس سو سال کی قلیل مدت میں عمومی اصلاح وتربیت کے سلسلے اس جامع جماعت میں عالمگیر پیمانہ پر قائم ہو کر کامیاب ہوئے خواہ وہ تعلیم کا سلسلہ ہو یا تبلیغ کا اور خواہ تربیتِ خلق کا طریقہ ہو یا اصلاحِ امت کا۔

اس جامع مسلک کے مرکزی فکر میں علوم وفنون کے ساتھ اس طبقاتی جامعیت اور اجتماعیت کا بھی اضافہ شامل ہے جس کے تحت اس دارالعلوم نے ہمیشہ اتحاد بین المسلمین اور وحدت کلمہ کی بنا پر، وحدتِ امت پر زور دیا ہے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرقہ مابینی سے ہمیشہ احتراز کیا ہے، جو درحقیقت اس فکر کی حقیقی روح ہے جس سے اُس دور کی امت کا انتشار ہی رفع نہیں ہوا جو حکومت چھن جانے سے مہلک انداز میں اُس پر مسلط ہو گیا تھا بلکہ امت کے ایک نقطہ اور ایک مرکز پر جمع ہونے کی صورت بھی پیدا ہو گئی اور ساتھ ہی اتحاد طبقات کے ساتھ ان طبقات کے مراتب و درجات کا فرق بھی نمایاں ہو گیا، اور پھر ان خواص کے اجتماع سے منتشر عوام کے جمع ہونے کی صورت بھی خود بخود پیدا ہو گئی یہ الگ بات ہے کہ جن لوگوں کو اپنے مخصوص مقاصد کی خاطر امت کا انتشار ہی مطلوب ہو اور وہ اس اجتماع کے قصر کے دروازہ کے قریب آنا بھی گناہ سمجھ کر اس سے دور بھاگنا ہی اپنا مطمحِ نظر بنا چکے ہوں اور اُنھیں نظریات تو درکنار مشاہدات کے معائنہ کی بھی فرصت نہ ہو تو اس سے مسلک کی جامعیت، معقولیت اور عمومیت پر کیا حرف آ سکتا ہے؟ وہ اپنی خود فکر کریں! فان تولوا فانما هم في شقاق فسيكفيكهم الله وهو السميع العليم۔

خلاصہء کلام یہ ہے کہ خواہ وہ سو برس والی ہنڈیا ہو یا معلّق ہنڈیا، دونوں باتیں ان اکابر و اسلاف کے مکشوفات ہی سے تعلق رکھتی ہیں جو امور غیبیہ میں سے ہے، کسی عقلی سوچ بچار یا ذہنی کاوش کا ثمر نہیں اور ظاہر ہے کہ جب ان ہانڈیوں کا مصداق یہ دار العلوم ہے تو نتیجہ واضح ہے کہ اس ادارہ کی حقیقت کا تعلق غیبی طاقتوں اور بشارات و اشاراتِ غیب سے ہے۔ محض رسمی مشوروں سے نہیں، بلکہ مشورے بھی خود اُن اشارات ہی پر مبنی اور مرتب ہوئے ہیں، اس لیے اس ادارہ کو سوائے الہامی مدرسہ کے اور کیا نام دیا جا سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس ادارہ کی چلانے والی قوت چوں کہ غیبی طاقت ہے اس لیے وقت کی مشکلات اور موانع میں بھی اس کے لیے غیبی مخلص پیدا کرنے والی طاقت آج بھی وہی غیبی قوت ہے جس نے ابتداء ہی سے اس عالم شاہد میں اس کا پرداز ڈالا اور اس کی کارفرمائی اس درجہ نمایاں ہے کہ ہم جیسے کمترین خدام دار العلوم تک بھی اس کا ہمہ وقت مشاہدہ کرتے رہتے ہیں اور کرتے آ رہے ہیں، اس طاقت کا اثر ہے کہ اس کا کام محض متوکلانہ طریق پر بالا تہیہء اسباب عالم گیر پیمانہ پر جاری ہے، کارکنوں کا کام صرف حسنِ نیت اور اخلاص ہے نہ کہ اُسے چلانا۔

اسی طرح حضرت قاسم العلوم کا یہ خواب کہ ”میں بیت اللہ شریف کی چھت پر کھڑا ہوا ہوں اور میرے ہاتھ پاؤں کی انگلیوں سے نہریں جاری ہیں جو اطرافِ عالم میں پھیل رہی ہیں، جس کی تعبیر اس دور کے بزرگوں نے یہ دی تھی کہ آپ سے علومِ نبوت کا فیضان تمام دنیا میں جاری ہوگا اور قیامِ دار العلوم کے بعد انہی اہل اللہ کا یہ فرمانا کہ ان کے خواب کی مجسم تعبیر یہ دار العلوم ہے یا حضرت مولانا رفیع الدین صاحب نقشبندی مہاجر مدنی و مہتمم ثانی دار العلوم کا یہ خواب کہ علومِ دینیہ کی چابیاں میرے ہاتھ میں دے دی گئی ہیں جس سے مراد دار العلوم ہی لیا گیا تھا، درحقیقت اُسی ہنڈیا کی تعبیر ہے جو حضرت جھنجھانوی اور حضرت نانوتوی کو دکھلائی گئی تھی جس سے صاف واضح ہے کہ یہ دار العلوم اپنی حقیقت و معنویت اور اپنی ہیئت وصورت دونوں ہی کے لحاظ سے غیبی بشارات کا مظہر اور مصداق ہے اور غیبی طاقتیں

© rasailojaraid.com

ہی اس کی تشکیل میں کارفرما ہیں، بہر حال اس ادارہ کے فکر میں جس پر دارالعلوم کی معنوی عمارت کھڑی ہوئی ہے، علمی، اخلاقی، عملی، عقلی اور سیاسی اوصاف کی ساتھ ساتھ جامعیت، اجتماعیت اور عدل واعتدال کا وصف بھی مسلک کا جوہری جز ثابت ہوتا ہے، اس لیے حسب مقالات اکابر وقت کے اہل اللہ کے طبقوں میں یہ مدرسہ من حیث الجماعت مجدد شمار کیا گیا جس نے اپنے مفکر اور معرفت مزاج افراد کے ذریعہ دین کے تمام شعبوں کی تجدید کا فرض انجام دیا اور وقت کے اولیاء اللہ کی نسبتوں کا مجموعہ ثابت ہوا۔

ظاہر ہے کہ جب اس مدرسہ کی حقیقت اور معنویت یعنی اس کے مرکزی فکر اور اس کے اجزائے ترکیبی کا وجود ہی الہام ربانی سے ہوا ہے تو قدرتی طور پر اس کی صورت اور تشکیل وتعمیر میں بھی الہامات الٰہیہ کا دخل طبعی تھا، جب کہ صورت کا وجود فطرتاً اپنی حقیقت ہی کے تابع اور اس کا ظل بلکہ اس کا مظہر ہوتا ہے جس میں وہ حقیقت جلوہ گر ہوتی ہے اس لیے اس کی معنویت ہی کے مناسب اس کی تاسیس، اس کا اجراء، اس کی تعمیر، اس کے نظم کا ڈھانچہ حتی کہ اس کی بنیادی اور کلیدی شخصیات کا انتخاب تک محض عام مروجہ مشاورتی طریقوں سے عمل میں نہیں آیا کہ چند ذی رائے افراد نے بیٹھ کر مشورہ کرلیا ہو کہ ایک مدرسہ قائم کرنا ہے اور بحث وتمحیص کے بعد جب ایک رائے پر سب جمع ہوگئے تو اُسے عملی جامہ پہنا دیا ہو، بلکہ اس کے مرکزی فکر کی طرح اس کے تمام تشکیلی امور بھی کچھ الہامات اور وارداتِ غیبیہ ہی کے تابع دکھائی دیتے ہیں، چنانچہ وہ مرکزی فکر بھی جو ولی اللّٰہی خاندان سے چل کر حضرت قاسم ورشید تک پہنچا تھا جب اس مدرسہ کے قیام کے وقت اس کی ذہنی تشکیل ہوئی تو وہ بھی ان سب اولیاء وقت کے دلوں میں بالہامِ ربانی ہی وارد ہوا اور بلا استثناء ظاہری بیکدم ان کی ارواح اس بارہ میں ایک زبان ہوگئیں، گویا باتباع سنت نبوی وباقتضائے آیت وشاورھم فی الامر اُسے مشورہ واستشارہ کی صورت بھی دی گئی، لیکن اس اشاراتِ غیب ہی کو رکھا گیا، چنانچہ جب بھی یہ حضرات مقدسین یکجا ہوتے تو اپنے اپنے مکاشفے ہی ایک دوسرے کے سامنے رکھتے تھے، اگر ایک بزرگ فرماتے کہ میرے دل میں یہ القا ہوا ہے کہ اب ہندوستان میں تعلیم دین عام کرنے کے لیے قیامِ مدرسہ کی ضرورت ہے تو دوسرے بزرگ کہتے کہ یہی میرے دل میں بھی آرہا ہے، ایک کہتے کہ مجھ پر یہ منکشف ہوا ہے کہ مدرسہ قائم ہو تو دوسرے کہتے کہ یہی میرے قلب میں بھی وارد ہوا ہے، چوتھے اگر یہ فرماتے کہ یہی انکشاف میرے قلب میں بھی ہوا ہے، غرض یہ ایک ہی آواز تھی جو ان تمام اربابِ قلوب کے قلوب میں غیبی داعیہ کے طور پر گونج رہی تھی، جس کا خلاصہ انہی کے تذکروں کے مطابق یہ تھا کہ اب جب کہ ہندوستان میں مسلم اقتدار ختم ہوچکا ہے اجتماعی طور پر علم کی سرپرستی کرنے والا کوئی باقی نہیں رہا ہے اور کوئی رہ بھی گیا ہے تو حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے وہ آگے بڑھنے کی ہمت نہیں رکھتا جس سے علوم نبوت کا یہ ورثہ رہا سہا بھی گم ہوجانے کے راستہ پر پڑگیا ہے، اندیشہ ہے کہ مسلمانوں کی نسل کہیں جہالت کا شکار ہوکر اغیار کے ہاتھوں نہ چڑھ جائے اور اس ملک سے مسلم قوم اور دین کا خاتمہ نہ ہوجائے، اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے قیامِ مدرسہ لازمی ہے جس کے ذریعہ قوم کو تعلیم وتربیت سے سنبھالا جائے، اگر مسلمانوں میں دینی شعور، دینی تعلیم اور دینی جذبات باقی رہیں گے تو دین باقی رہنے پر وہ اپنی دنیا بھی سنوار سکیں گے، لیکن اگر قوم کی بنیاد ہی ختم ہوگئی تو تعمیرِ نو کا کوئی سوال ہی باقی نہ رہے گا، اس لیے اب حفاظتِ دین کی صورت بجز قیامِ مدرسہ کے دوسری نہیں۔ ظاہر ہے کہ ان بزرگوں کے انکشافات سامنے آنے کی یہ نوعیت کسی رسمی مشورہ کی نہ تھی بلکہ الہامات اور مبشراتِ غیب کے تبادلوں کی تھی جن پر باطنی اور روحانی اجماع منعقد ہوگیا اور اس نے ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ کو مدرسہ دیوبند کے آغاز کی صورت اختیار کرلی، جس سے واضح ہے کہ اس مدرسہ کے قیام کا مسئلہ بھی اُس کے مرکزی فکر کی طرح الہامی تھا جو اشاراتِ غیب سے وقوع پذیر ہوا، بلکہ ان مؤسسین کے دور سے بھی کافی پہلے اور ولی اللّٰہی خاندان کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے اہل اللہ نے بھی اس مدرسہ کے قیام کو اور نہ صرف قیام کو بلکہ اُس کے محلِ وقوع کو بھی اشاراتِ غیب ہی سے محسوس کیا اور لطیف اشاروں میں اس کا اظہار فرمایا۔

میں نے اپنے بزرگوں سے بارہا سنا اور ان کے حلقوں میں یہ ایک معروف اور عام زبان زد بات تھی اور پھر اس کی سند تاریخی اوراق سے بھی ملتی ہے کہ حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ جہاد کے سلسلہ سے صوبہ سرحد جاتے ہوئے جب دیوبند سے گزرے تو اس جگہ پر پہنچ کر جہاں آج مدرسہ واقع ہے فرمایا کہ مجھے یہاں سے علم کی خوشبو آرہی ہے، حالانکہ اس وقت اس جگہ شہر کی کوڑیاں پڑتی تھیں، مگر مثل مشہور ہے کہ بارہ برس میں کوڑیوں کے دن بھی بھوڑ آتے ہیں، بالآخر یہاں سے علم کی خوشبوئیں پھوٹ نکلیں جیسا کہ حضرت شہید کا اشارہ تھا، جس سے واضح ہے کہ دارالعلوم کا محلِ وقوع بھی کچھ اشاراتِ غیب ہی سے متعین ہوا ہے جو طبعی اسباب کے تحت وقت کے ان بزرگانِ امت کے قلوب کے دواعی کے لیے محرّک ثابت ہوا، جس سے انھوں نے بھی اپنے داعیۂ قلب سے اسی جگہ کا انتخاب کیا جو غیب در غیب ہوتا ہوا ان کے قلوب تک پہنچا ہوا تھا اور بالآخر ۱۲۸۳ھ میں منصۂ شہود پر بہ صورت مدرسہ جلوہ گر ہوگیا، حضرت نانوتوی رحمہ اللہ اپنے روشن ضمیر رفقاء کے ساتھ اجراء مدرسہ کے لیے مستعد ہوئے اور جب حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نانوتویؒ کو میرٹھ خط بھیجا کہ چندہ کی ایک مقدار بھی جمع ہوگئی ہے اب آپ تشریف لے آئیں تو حضرت نے اُسی وقت ملّا محمود صاحب دیوبندی کو جو میرٹھ میں مدرس تھے وہیں بلاکر فرمایا کہ ملّاجی آپ کو یہاں کیا تنخواہ ملتی ہے؟ فرمایا حضرت اس سے بہتر اور کیا بات ہوسکتی ہے، تب حضرت نے میرٹھ ہی میں ان کا تقرر فرماکر انھیں دیوبند بھیج دیا اور حضرت حاجی محمد عابد صاحب کو لکھا کہ میں پندرہ روپیہ ماہوار پر محمود صاحب کو بھیج رہا ہوں، آپ کارِ تعلیم جاری کردیں، میرے آنے کا انتظار نہ فرماویں میں بھی بعد میں پہنچ جاؤں گا، اس عدمِ حاضری کی وجوہ اور ان کی مصالح مضمون ''بانی دارالعلوم'' میں دیکھی جاسکتی ہیں جو اخبار ''مدینہ بجنور'' اکتوبر ۱۹۶۵ء میں شائع ہوچکا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہر حال چھتہ کی مسجد میں کارِ تعلیم کا اجرا ہو گیا، تعمیر مدرسہ اس کے آٹھ نو سال بعد شروع ہوئی جس کے سنگِ بنیاد میں یہ سب بزرگ مجتمع تھے، چوں کہ اس مدرسہ کے تمام بنیادی امور بشاراتِ غیبی سے عمل میں آرہے تھے، اسی لیے ان اسلافِ مقدسین میں رائے مشورہ اور مفاہمتِ باہمی سے زیادہ اس مدرسہ کے بارے میں توجہ الی اللہ، دعاء، استدعا اور استکشاف غیب ہی پر زیادہ نظر رہتی تھی اور اسی میں وقت زیادہ لگایا جاتا تھا، بالفاظِ دیگر اسبابِ عادیہ سے بالاتر ہو کر غیبی مدد ہی پر اس مدرسہ کے قیام کا زیادہ تر مدار تھا نہ کہ فراہمی اسباب پر، چنانچہ ذیل کا واقعہ اس بارہ میں شاہدِ عدل ہے جو ارواح ثلثہ میں بھی درج ہے اور بزرگوں سے بھی سننے میں آتا رہا ہے کہ مدرسہ کے قیام کے بعد دیوان محمد یٰسین صاحب مرید خاص قاسم العلومؒ جو رشتہ میں میرے نانا بھی ہوتے تھے اور دار العلوم کے کتب خانہ کے سب سے پہلے ناظم تھے حج کے لیے تشریف لے گئے تو مکہ مکرمہ میں اپنے شیخ الشیخ حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہٗ کی مجلس مبارک میں بکثرت حاضر باش رہتے تھے رخصت کے وقت انھوں نے حضرت حاجی صاحب سے استدعاء کی کہ حضرت ہمارے مدرسہ کے لیے دعاء فرمایئے، تو فرمایا "چہ خوش، مدرسہ کے قیام کے لیے راتوں سجدوں میں پیشانیاں ہم نے رگڑیں کہ خداوندا اپنے دین اور علم کی حفاظت کے لیے مدرسہ قائم فرما اور مدرسہ آپ کا ہو گیا؟ پھر فرمایا کہ خیال گزرتا تھا کہ مدرسہ تھانہ بھون میں قائم ہو گا (جو حضرت حاجی صاحب کا وطن ہے) یا نانوتہ میں (جو حضرت قاسم العلوم کا وطن ہے) کیا خبر تھی کہ اس دولت کو دیوبند والے لے اڑیں گے؟

ان واقعات سے پوری طرح واضح ہے کہ مدرسہ دیوبند کے قیام کا جذبہ اولاً سرخیل جماعت حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہٗ کے اندر ابھرا اور اُن سے منتقل ہو کر ان کی جماعت میں منتقل ہوا، یہ سب ہی حضرات اربابِ باطن تھے اس لیے ہر ایک کے باطن میں قیامِ مدرسہ کا یہ جذبہ جاگزیں ہو گیا جسے ہم نے سابقہ سطور میں "باطنی اجتماع" سے تعبیر کیا ہے، مگر عمومی طور پر ان سب اکابر میں یہ تخیل قیام مدرسہ ہی کی حد تک تھا، جس کا حاصل تعلیم دین اور اس راستہ سے اس ملک میں مسلمانوں کا تحفظ اور بقا پیش نظر تھا، لیکن جہاں تک مدرسہ کے ساتھ اس کے مرکزی فکر اور اس کے ہمہ گیر نصب العین نیز انگریزوں کے لائے ہوئے ملحدانہ اور دنیا پرستانہ نظریات کا ایک ہمہ گیر علمی تحریک کی صورت سے مقابلہ اور ساتھ ہی بکھری ہوئی قوم کی شیرازہ بندی اور اخص خصوص اس ملک میں شوکتِ رفتہ کی بازیافت یا کم از کم خود اختیاری کے جذبہ کے ساتھ پورے عالم اسلامی تک اس کے اثرات پھیلا دینا وغیرہ کے ہمہ گیر جذبات اور نظام ہائے عمل صرف اُن ہی میں موجزن تھا جو جہاد شاملی میں امامِ جہاد حضرت حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ کی سرکردگی میں شریک معرکہ ہو کر مسلمانوں کی لاشوں کو خاک وخون میں تڑپتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے اور ان میں بھی بالخصوص حضرت حاجی صاحب کے دست راست حضرت قاسم ورشید تھے جن میں صرف مدرسہ ہی کا نہیں بلکہ اس کی اجتماعیت کے تصورات بھی سامنے تھے، اس نقطۂ اجتماعیت کے معیار سے ان جذبات میں حضرت قاسم العلومؒ سب سے آگے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آ گے تھے، جنھیں خود ان کے شیخ طریقت حضرت حاجی امداد اللہؒ ہی اپنے مکنوناتِ قلبی کا ترجمان فرما چکے تھے جیسا کہ حضرت حاجی صاحب نے حضرت قاسم العلوم کو مولانا رومی سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا کہ مولانا رومی تو شمس تبریز کی زبان تھے جن کے ذریعہ اُن کے علوم و معارف اور مکنوناتِ باطن ظاہر ہوئے اور مجھے مولوی محمد قاسم زبان بنا کر دیئے گئے ہیں یعنی میرے علوم و معارف اور قلبی و داعی ان کے ذریعہ ظاہر ہوتے ہیں اس لیے یہ امداد اللّٰہی کیفیات خاص طور سے حضرت نانوتویؒ میں سب سے زیادہ اُبھریں، اور جونہی حضرت حاجی صاحب نے عَلَم جہاد بلند کیا تو سب سے پہلے اُس جھنڈے کے نیچے حضرت قاسم العلومؒ ہی موجود تھے اور انھوں نے ہی حضرت گنگوہی کو بھی پانچ چھ ماہ کی گفت و شنید سے آمادۂ جہاد کیا اسی طرح اس مدرسۂ زیرِ تجویز اور اس کے فکر و مقصد میں بھی جو امدادی جذبہ تھا جیسا کہ واقعۂ بالا سے ظاہر ہوا وہی آگے آسکتے تھے جو خود شیخ ہی کے اعلان کے مطابق ان کے باطنی ترجمان تھے۔

چنانچہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم سادس دارالعلوم کی روایت کے مطابق جب دارالعلوم کی عمارت بنائے جانے کا مسئلہ اُٹھا اور حضرت قاسم العلوم نے اُس کی ضرورت ظاہر فرمائی تو حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جن کا شمار بانیانِ مدرسہ میں ہوتا ہے، مدرسہ کی مستقل عمارت سے اختلاف کرتے ہوئے فرمایا کہ ''جب شہر میں وسیع جامع مسجد موجود ہے، اس کے ہر سہ جانب اتنے کمرے بھی ہیں جن میں ۳۰۔۴۰ طلباء بآسانی رہ سکتے ہیں اور جامع مسجد کا وسیع مُسقّف حصہ درس و تدریس کے لیے کافی ہوسکتا ہے تو پھر مدرسہ کی مستقل عمارت میں مسلمانوں کا پیسہ کیوں ضائع کیا جائے، لیکن حضرت قاسم العلوم نے وجوہِ عمارت بیان کرتے ہوئے آخر میں فرمایا کہ حاجی صاحب اس مدرسہ کے بارے میں آپ وہ چیز نہیں دیکھ رہے ہیں جو مجھے نظر آرہی ہے۔ یہ مدرسہ یہیں تک رہنے والا نہیں ہے آگے جانے والا ہے، مدرسہ کی مستقل عمارت ہی سے اُس کے بنیادی مقاصد پورے ہوسکتے ہیں، کچھ وقفہ اور گفت و شنید کے بعد جس کا واقعہ طویل ہے اور اس موقع پر اُس کی ضرورت بھی نہیں، حضرت حاجی صاحب بھی اس پر راضی ہوگئے اور سب حضرات نے مل کر سنگِ بنیاد رکھا۔

اس سے واضح ہے کہ عامۂ ان مؤسس اکابر مدرسہ کا تصور صرف تعلیم و تعلّم ہی کی حد تک تھا حتی کہ عمارتِ مدرسہ کا سنگِ بنیاد رکھنے تک بھی یہی رہا جب کہ مدرسہ کے اجرا، پر آٹھ نو سال بھی گذر چکے تھے، یہ وسیع اور عالمگیر نصب العین ان کے سامنے نہ تھا جو حضرت قاسم العلوم اور ان کے رفقاء جہاد شاملی باشاراتِ غیب اور بفیضانِ ولی اللہ و امداد اللہ اپنے اندر لیے ہوئے تھے اور جہاد شاملی کے بعد یہ مقاصد اور بھی زیادہ قوت اور عزیمت کے ساتھ اُبھر آئے جس کا سرچشمہ حضرت حاجی امداد اللہ اور سرخیل حضرت قاسم العلوم تھے۔

اس ولی اللّٰہی اور امداد اللّٰہی تصور میں اوپر تعلیم کا پردہ تھا اور نیچے اُسی تعلیمی لائن سے اعلاء کلمۃ اللہ، مسلمانوں کی آفاقی عزت و شوکت اور ملّت کی عالمگیر خدمت کے اجتماعی جذبات پنہاں تھے، اسی حقیقت کو نمایاں کرتے ہوئے

© rasailojaraid.com

مولانا مناظر احسن گیلانی نے اپنے ایک مضمون ''دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن'' جو دارالعلوم میں شائع شدہ ہے، حضرت شیخ الہندؒ کا یہ مقولہ نقل کیا ہے کہ:

''حضرت الاستاذ (حضرت نانوتویؒ) نے اس مدرسہ کو کیا درس وتدریس، تعلیم وتعلّم کے لیے قائم کیا تھا؟ مدرسہ میرے سامنے قائم ہوا، جہاں تک میں جانتا ہوں ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کی ناکامی کے بعد یہ ادارہ قائم کیا گیا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے جس کے زیرِ اثر لوگوں کو تیار کیا جائے تاکہ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کی جائے۔''

آخر میں ارشاد فرمایا:

''صرف تعلیم وتعلّم، درس وتدریس جن کا مقصد اور نصب العین ہے میں ان کی راہ میں مزاحم نہیں ہوں، لیکن اپنے لیے تو اسی راہ کا انتخاب میں نے کیا ہے جس کے لیے دارالعلوم کا یہ نظام میرے نزدیک حضرت الاستاذ نے قائم کیا تھا۔''

چنانچہ حضرت نے احاطۂ مدرسہ میں طلباء کو فنونِ سپہ گری سکھلانے کا بندوبست بھی فرمایا، تاکہ علم کے ساتھ سپاہیانہ اسپرٹ بھی قائم رہے، محکمۂ قضا بھی قائم فرمایا تاکہ تنفیذ احکام شرعیّہ کی خو بھی ان میں محفوظ رہے، ترکوں کی امداد کے لیے بھی مساعی فرمائیں، سلطان ترکی کی مدح میں قصائد بھی لکھے تاکہ خلافتِ اسلامیہ سے مدرسہ کے نونہالوں کا ربط قائم رہے، انگریزی تسلّط کے بعد ایسی اجتماعی انجمنوں کی حمایت وتائید بھی کی جو انگریزی سے ملکی حقوق حاصل کرنے کے لیے قائم کی گئیں، وغیرہ جو جامع مسجد کے صحن میں انجام نہیں پا سکتے تھے۔

یہ تمام مقاصد اسی ذریتِ قاسمی میں پرورش پاتے رہے، اُنہی کے تحت حضرت کی وفات کے بعد اُن کے علمی جانشین شیخ الہند رحمہ اللہ نے ان ملّی مقاصد کو آگے بڑھایا اور پھر ان کے تلامذہ نے بھی تعلیمی لائنوں کو مضبوط کیا مگر اجتماعی خدمات سے کبھی کنارہ کشی اختیار نہیں کی بلکہ آزادی کی تمام تحریکات میں قائدانہ حصہ لیا اور ان کے سرخیل اگر انگریزوں کے مقابلہ میں میدان شاملی میں سربکف تھے تو اُن کی ذرّیت اُسی انگریز کے مقابلہ میں قید وبند اور جیلوں میں سربکف رہی اور آج بھی کلمۂ حق کہنے میں آگے ہی آگے ہے۔

ایک اہم اعلان

تمام جامعات ومدارس کے ذمہ داران یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مرتب کردہ ریاضی جو تین حصوں (حساب، الجبرا اور جیومیٹری) پر مشتمل ہے۔ مکمل نصاب میں داخل ہے۔ کتاب کا کوئی حصہ نصاب سے خارج نہیں اور وفاق کے امتحان میں تینوں حصوں سے سوالات دیئے جائیں گے۔ (ادارہ)

© rasailojaraid.com